تصدیق
جلد۱۰ شمارہ۰۵، ۲۰۲۳

Article

CRITICAL ANALYSIS OFPOETIC THEMES IN ‘DOSTON KEY DERMEAN’ BY DR. ARSHAD MERAJ

”ڈاکٹر ارشد معراج کے نظمیہ موضوعات کا تجزیاتی مطالعہ“
(دوستوں کے درمیان کے مطالعہ کی روشنی میں)

Sajid Iqbal *[1], Waqar Ahmad[2]
[1] Scholar Ph.D. Urdu, International Islamic University Islamabad
[2] Scholar Ph.D. Urdu, International Islamic University Islamabad
*Correspondence: sajidiqbal019@gmail.com

[1]ساجد اقبال، وقار احمد[۲]

[1]پی ایچ ڈی سکالر (اردو) بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، [2] پی ایچ ڈی سکالر (اردو) بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

ABSTRACT: Arshad Meraj started taking part in the poetic gatherings of ‘Halqa Arbab-e-Zouq’ in 1990. His first collection ‘Katha Neelay Pani Ki’ was published in 2006. This anthology introduced a new poetic temperament and sensibility. When in 2019, his second collection ‘Doston Key Dermean’ got published, there was a unique taste for readers and enthusiasts of poetry in it. The extraordinary characteristic of Meraj’s poetry is that he gave a special place to modern and ultra-modern themes in his poetry. There is such a multi-colored fascination in this book as it exists in one day-to-day life. The human plight, practices, affairs, and tragedies especially become the center of his attention. There are candid and frank dialogues with friends which are kept in prospection. This meditation covers most of the contemporary issues. In ‘Doston Key Dermean’ we find a dissatisfied person who wails against modern life and attributes born as a consequence of it.

KEYWORDS: Critical, Analysis, Poetic Themes, Doston ke Dermiyan, Arshad Meraj, Modern, Theme, Friends, Anthology, Collection, Dialogue

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210
DOI:https://doi.org/10.56276/tasdiq.v5i01.155
Received:21-05-2023
Accepted:25-06-2023
Online:10-07-2023

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ارشد معراج جدید نظم نگاروں میں ایک منفرد شناخت رکھتے ہیں۔ ''کتھا نیلے پانی کی'' ان کا پہلا مجموعہ کلام ہے۔ جس کی نظمیں اپنی فکری ترفع کے باعث ہر خاص وعام کے لیے یکساں توجہ کا مرکز بنی تھیں۔ ان کا دوسرا مجموعہ کلام ''دوستوں کے درمیان'' پہلے مجموعے سے آگے کی منزل ہے۔ جس میں ان کے دوستوں کے ساتھ مکالمے کی سی صورت حال ہے۔ اپنے دوستوں کی جسمانی عدم موجودگی کے باوجود خطاب ہے۔ خطاب بھی کیا ہے خود کلامی کی سی کیفیت ہے۔ اس خود کلامی میں تصوراتی اور حقیقی دنیا کے حالات، واقعات، معاملات اور معمولات الجھاؤ اور سجھاؤ کی صورت میں ظاہر ہوئے ہیں۔

''دوستوں کے درمیان'' مجموعہ کلام دوستوں سے راز و نیاز سے بھرپور باتیں ہیں لیکن تفکر اور تعقل کی مجموعی فضا پورے مجموعے کلام میں رواں دواں ہے۔ ہر نظم، فکر اور تدبر کے نئے نئے دَر کھولتی ہے۔ کوئی دوست جس طرح کی فکری رغبت رکھتا ہے، اسی طرح کی نیاز مندی اس سے برتی گئی ہے۔ یوں پورا مجموعہ کلام رنگارنگ پھولوں کا ایسا گلدستہ بن گیا ہے جس میں ہر ہر پھول کی مہک دماغ کو مختلف انداز سے معطر کرتی ہے۔ ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر کا فطری اور فکری رجحان تصوف کی طرف زیادہ ہے تو ان سے تصوف کے اسرار و رموز سے متعلق سوالات ہیں:

تصوف کے مسائل پر تمہاری فکر گہری ہے
عناصر کے تراکیبی مظاہر پر مباحث اچھے لگتے ہیں
تو پھر کیسا اندھیرا ہے
زمانوں سے جو ذہن و دل پہ چھایا ہے؟
الوہی روشنی بھی ہے تو پھر ہم کیوں بھٹکتے ہیں (۱)

نصیر احمد ناصر اعلیٰ پائے کے نظم نگار ہیں۔ تخلیق و تنقید میں کئی سلسلوں سے وابستہ ہیں لہٰذا ان سے مکالمہ تخلیقی حسیت و سرگرمی سے متعلق ہے۔:

بس یہی کرتے ہو تم
اور یہی کرتا ہوں میں
ورنہ نظموں کی پٹاری میں پڑے یہ بیچھوے
بس ایک چٹکی بھر نمک کی مار ہیں (۲)

یوں اس مجموعہ کلام کے مطالعہ سے ارشد معراج کے دوستوں کے مزاج سے بھی آشنائی ہو جاتی ہے۔ دوستوں کی عدم موجودگی میں ان کے ساتھ مکالمے کی جو فضا ارشد معراج نے بنائی ہے اس میں خاصی ندرت اور جدت ہے۔ اس تیز رفتار زندگی نے جس انداز میں نفسانفسی کا زہر جسموں میں اتار کر دوست کو دوست سے جدا کر دیا، تو اس سے چھٹکارے اور تسکین کے لیے غیر موجود سے یہ مکالمہ بڑی

فرحت بخش ذہنی آسودگی عطا کرتا ہے۔ یہ رشتوں اور دوستیوں کی بازیافت کا ایک عمل بھی ہے، جو اس پورے مجموعے کلام میں ہر سو بکھرا پڑا ہے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری اس مجموعے کی نظموں کے بارے رقم طراز ہیں:

> ”یہ نظمیں دوستوں کے لیے خود کلامی کی صورت میں لکھی گئی ہیں۔ وہ ان میں اپنے بے شمار دوستوں سے مخاطب ہوا ہے۔ یہ خود کلامیاں اس کی تخلیقیت کا اظہار ہیں۔ یہ زندگی کو دیکھنے، سمجھنے، برتنے اور زندگی کے عذاب کی منزلوں کو طے کرنے والے وہ مراحل ہیں جس سے وہ گزرتا چلا جاتا ہے۔“(۳)

ارشد معراج کی نظموں کا انسان بے سمتی کے عذاب میں مبتلا ہے۔ جدید عہد کا یہ انسان مختلف راستوں کے سنگم پر حیران و پریشان کھڑا ہے۔ وہ کسی راستے کو بھی اعتماد کے ساتھ اختیار کرنے میں ہچکچاہٹ کا شکار ہے۔ افسردگی اور ملال کے ساتھ کبھی ایک راستے پر نظر جاتی ہے اور کبھی دوسرے راستے پر لیکن یکسوئی میسر نہیں آتی۔ ایسی ہی صورت حال میں ان کی نظم میں معانی کی سطح پر تکثیریت کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ الجھاؤ جتنا بڑھتا ہے، کشمکش اتنی ہی شدت اختیار کرتی ہے۔ معانی میں تنوع اسی قدر بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یوں ارشد معراج کے ہاں حقیقت اور تصور کی جتنی شبیہیں پیدا ہوتی ہیں وہ سب علامت کاری کی ایک نئے سلسلے کو پیدا کر رہی ہیں۔ اس طرح نہ صرف آئینہ در آئینہ کی کیفیت ان کی نظموں میں برقرار رہتی ہے، بلکہ ان آئینوں سے بننے والے عکس بھی اتنے متنوع ہیں کہ ان میں کسی ایک منبع کی تلاش بے سود ہو جاتی ہے۔ گویا یہ بعینہٖ موجود زندگی کی عکاسی ہے۔ ان میں زندگی منتشر ہوتی، مرکز سے ہٹی ہوئی، کئی سمتوں میں رواں دواں دکھائی دیتی ہے۔ ارشد معراج ایک زیرک تخلیق کار ہیں۔ زندگی کی شاہراہ انہیں مستقیم نہیں لگتی۔ جو لوگ انہیں یہ مستقیم صورت میں دکھانے پر مصر ہیں وہ ان پر افسوس کرتے ہیں بلکہ کڑھتے ہیں۔ جو شے متعدد چہروں کے ساتھ ظہور پذیر ہے وہ اس کو واحد چہرے کے طور پر ہرگز تسلیم نہیں کرتے۔:

ہر ہر شکل میں لاکھوں نظمیں
ہر ہر ذات میں لاکھوں پرتیں
ہر اک پرت ہے ایک افسانہ
میں دیوانہ (۴)

اس گمبھیرتا میں اپنے وجود کے مٹنے کا احساس اور خوف بہت شدید ہوتا ہے۔ زندگی کی یلغار میں انسان کی سب سے بڑی بے بسی یہی ہے کہ وہ خود کو تنہا محسوس کرتا ہے۔ تنہائی کا یہ احساس گو اندر سے پھوٹتا ہے لیکن جب باہر کی بھری پُری دنیا رنگوں اور قدروں سے تہی ہو کر مشینی بے حسی کا اعلان کر دے، تو شاعر کی حسیات پر ہتھوڑے برسنے لگتے ہیں۔ اب کوئی محبت کا داعی بن کر چلتا بھی ہے تو پناہ کہیں میسر نہیں۔ سرخ اور سبز سے بنی یہ شاہراہ حیات، سرخ ہی سرخ دکھائی دیتی ہے۔ کوئی ٹھور ٹھکانہ نہیں۔ ارشد معراج کے یہاں وجودی تنہائی و کرب کا احساس بہت شدید ہے اور یہ موضوع مختلف نظموں میں بہ تکرار ملتا ہے۔

مگر میں محبت کا داعی / پیادہ / سفر در سفر
ریگ زاروں کی جھلسی ہوئی ساعتوں میں چلا جارہا ہوں
مجھے تو کہیں سبز ٹکڑا دکھائی دیا ہی نہیں (۵)

ارشد معراج کی نظموں کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ جدید دور کا انسان تواتر کے ساتھ توڑ پھوڑ کا شکار ہوتا چلا جارہا ہے۔ ''دوستوں کے درمیان'' کی نظمیں انسانی رشتوں کی کسک کو بھی محسوس کرواتی ہیں۔ یہ رشتے چاہے مادی اور معاشرتی جبر کے باعث کمزور ہوئے ہیں یا انسانی سائیکی کے عدم توزن سے، ہر صورت ٹوٹ پھوٹ کا ایک استعارہ ہے اور ہر تعلق جبر کے بوجھ سے لرزاں ہے محمد حمید شاہد کے بقول:

''ارشد معراج کی نظمیں پڑھتے ہوئے اس کے دوستوں سے ملاقات ہی نہیں ہوتی، اُس درد سے بھی ملاقات ہو جاتی ہے جو انسانی وجود کو سیونک کی طرح چاٹنے اور اندر ہی اندر مسلسل چلنے والا ہے۔ اس ذلت کی غلاظت سے بھی ملنا ہو جاتا ہے جو ہمارے باپ دادا کی پگڑیوں کو جوتے صاف کرنے والی ٹاکیاں بنارہی ہیں۔ یہاں ایک گھمبیر اداسی کا گنبد ہے جس میں کوئی وزن نہیں۔''(۶)

ارشد معراج کی نظموں میں لایعنی زندگی کے پرپیچ راستوں کا ایک جنگل ہے۔ دراصل یہ لایعنی صورت معنویت کو تلاش رہی ہے۔ فرد اس کیفیت کا شدت سے شکار ہوا ہے۔ وہ سفر کے ہر پڑاؤ پر پہنچ کر مایوسی اور دل گرفتگی کو وصول کرتا ہے۔ لیکن پھر سے سفر پر نکل کھڑا ہوتا ہے کہ شاید اثبات کو حاصل کر کے اپنے پھیلاؤ کو مکمل کرلے۔ لیکن یہ سفر یکسانیت کی بے رحم تکرار کے سوا کچھ بھی سامنے نہیں لاتا:

دیکھ کتنے یگوں سے میں گھوما ہوں
تاروں پہ، تلوار سے تیز دھاروں پہ
شیروں کی گہری کچھاروں میں
بُو ہے جہاں آدمی کی نہ آدم کی بُو
تو بتا؟
کیا وہیں پہ نہیں ہوں جہاں سے چلا (۷)

ڈاکٹر ارشد معراج کی نظموں کے انسان کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ تمام کایا کلپ کے بعد یہ وہی بن جاتا ہے، جس سے چھٹکارا پا لینا چاہتا ہے۔ یہ کچھ نیا دیکھنے کی خواہش کا اسیر ہے۔ کچھ اعلیٰ وارفع، لیکن روٹین اور یکسانیت کی ڈگر پر چلتی ہوئی زندگی انھی آشنا سے چہروں، اشیا، معمولات، واقعات اور خیالات سے اسے باندھے ہوئے ہے۔ فرد، زمان اور وقت کے اس جبر کو کاٹنے اور سہنے پر مجبور ہے۔ بعض اوقات اسے چوہا بن جانا زیادہ اچھا لگتا کہ کہیں سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ مل جائے لیکن یہ بھی اس کے مقدر میں نہیں۔ وہ اپنے تئیں چوہوں سے بھی حقیر تر ہے:

لیکن ٹھہرو! / چوہوں کے توبل ہوتے ہیں
دن بھر لمبی تان کے سوتے ہیں / اور رات کو اودھم
ہر کونے میں جاگھتے ہیں / راج ہے ان کا تاریکی میں
کوئی قدغن نا دیواریں / نہ قانون نہ دفتر کوئی
تم بتلاؤ / تم پھر کیا ہو؟
کوئی نہ جانے / کیسے سیماپار ہوئے ہیں(۸)

چوہوں کے روپ میں علامتی ظہور بیزاری بھی ہے اور احتجاج بھی! مصیبت یہ ہے کہ اس احتجاج کا مخاطب کوئی نہیں۔ کون سنے گا؟ کس کو سنایا اور بتایا جائے۔ بقول تبسم کاشمیری:

> "سونا، جاگنا، روٹھنا، تیار ہونا، دفتر جانا، افسر کی باتیں سننا، اپنے آپ میں سمٹنا اور سمٹتے سمٹتے چوہے کی علامت میں خود کو بدلتے دیکھنا۔ کیا مکتی "چوہا" بننے میں ہے۔ انسان اور چوہا اور پھر چوہے سے انسان بننے کا عمل ہے جو صبح جاگنے سے رات سونے تک مسلسل جاری رہتا ہے۔ Absurdity زندگی کی بہت بڑی لایعنیت کا اظہار ہے۔ بے معنویت کی انتہائی شکل ہے۔"(۹)

ڈاکٹر ارشد معراج کی شاعری میں وجودی کرب کا شدید احساس نمایاں ہے۔ انسانی وجود اپنی کم مائیگی پر شکوہ کناں ہے۔ ذات، ہستی اور وجود سے متعلق طرح طرح کے سوالات "دوستوں کے درمیان" کی نظموں میں ملتے ہیں۔ یہ سوالات کشمکش کا اظہار بھی ہیں اور وجود کی معنویت کو تلاشنے، پرکھنے کی سعی بھی! وجود محض وجود نہیں بلکہ شعوری وجود ہے جو زیادہ پر فکر ہے۔ ذات اور وجود سے متعلق سوالات ہمیشہ موجود رہے ہیں۔ ہر صاحبِ فکر نے اپنی فکری حیثیت اور حساسیت کے مطابق ان کے جوابات پیش کیے ہیں۔ ڈاکٹر ارشد معراج نے بھی یہ سوالات شد و مد سے اٹھائے ہیں اور ان کے جوابات کے لیے سرگرداں ہیں۔ اگرچہ ہر نئی واقعیت کے ساتھ ان کے ہاں قائم سوالات کی نوعیت بدل جاتی ہے لیکن سوالات اور ان کے جوابات کو سمجھنے کی فطرت نہیں بدلتی:

زماں کیوں؟ / مکاں کیوں؟
یہ حدِ آسماں کیوں؟ / یہ وجہِ امتحاں کیوں
قرن کئی بھرن کئی / قطار کیوں؟ حصار کیوں؟
کہ ذلتوں کی رات کا / ملال تک نہیں ہوا
وجود کیوں بنا گیا؟ / یہ کھیل کیوں رکھا گیا
کہاں پہ انت ہے بھلا / میرا مکالمہ نہیں
مجھے تو وہ ملا نہیں / سو بار اس سوال کا
تیرے سپرد کر دیا(۱۰)

مذکورہ بالا سوالات میں اپنا اثبات اور انفرادیت کی تلاش پورا منظر نامہ سجا ہوا ہے۔ اس وسیع کائنات میں فرد کہاں کھڑا ہے۔ اس کا نام، مقام اور کام کیا ہے؟صلہ کیا ہے؟ حد کیا ہے؟صلہ کچھ بھی نہیں سوائے چند سانسوں کے اور حد، انجام کار موت۔ جب آرزوؤں کا جواز کچھ بھی نہیں تو شکستگی اور کم مائیگی فرد کو اپنے حصار میں لے لیتی ہے۔ اس طرح وجود اس جبریت کا بوجھ برداشت کرتا ہے۔ فرد کی تمام جدوجہد اثبات سے مشروط ہوتی ہے اگر میسر آجائے تو ایک ادنی سی کشمکش بھی حرکت و عمل میں ڈھل جاتی ہے۔ ارشد معراج کے ہاں وجود جبر کا بوجھ سہتا ہے لیکن کسی تحدید کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ یہ کرب اور کشاکش کو قبول کر لیتا ہے لیکن اپنی موضوعیت پر سمجھوتا نہیں کرتا۔ یہ موضوعیت ہی اسے سرشاری عطا کرتی ہے۔

وہ دیکھو آسمان نیلا
دعائیں تیرتی ہیں رنگ برنگی
کچھ پرانی اور نئی
بوسیدگی سے کچھ بھری
جو کہ بلندی پر نہیں پہنچیں
کہ تم تو جانتے ہو مندری والے کو
کہو اس سے کہ ساری بدبلائیں دور ہو جائیں (۱۱)

وجود کی تمام امکانات کو بروئے کار لا کر زندگی کی مہملیت کو معنویت میں بدل دینے کی کاوش، رفعت و عظمت کا احساس پیدا کرتی ہے۔ بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ مہملیت دھواں بن کر چھا جاتی ہے اور راہ نجات نہیں ملتی:

سُلگن گیلی لکڑی جیسی دُھونی دھختی رہتی ہے
کھانس کھانس کے مر جاتے ہیں
لیکن اس تنور میں رہتے ہیں
شعلہ بھی جب بن پاتے ہیں
دھواں دھواں ہی ہو جاتے ہیں (۱۲)

وجود کی لامتناہی گہرائیوں سے جنم لیتی سلگن کا یہ شدید احساس عدم اکمیت کو واضح کرتا ہے۔ پروین طاہر اس وجودی شعور کے بارے میں لکھتی ہیں:

> ”ارشد معراج کی شاعری کا دوسرا رنگ ہے وجودی کرب کا احساس! یہ احساس آج کے شاعر کا مجموعی مزاج میں اپنے اپنے رنگ سے موجود ہے۔ اس احساس نے ارشد معراج سے بہت سی اہم اور دلکش نظمیں تخلیق کروائیں۔“(۱۳)

"دوستوں کے درمیان" کے نظمیہ موضوعات میں سے ایک اہم موضوع موت ہے۔ موت اور اس کے متعلقات کی کثرت تخلیق کار کے شعور اور لاشعور میں چھائی افسردگی کا اظہار ہے۔ یہ اس جدید زندگی کی اندوہناک حقیقت ہے کہ انسان پر موت کا خوف بری طرح مسلط ہو چکا ہے۔ موت تو ناگہانی ہے، کسی وقت بھی آ سکتی ہے لیکن تیز تر زندگی میں موت کے اسباب اس قدر کثرت سے پیدا ہو چکے ہیں کہ انسان مسلسل خوف کی حالت میں رہنے پر مجبور ہے۔ جبلت مرگ فرد کو مسلسل موت کی تاریکیوں کا احساس دلا کر منفیت کی طرف دھکیل رہی ہے۔ اس حالت میں زندگی کی مثبت قدریں بھی لرزاں نظر آتی ہیں۔ ارشد معراج کی کئی نظموں میں یہ کیفیت موجود ہے۔ جبلت مرگ کا پیدا کردہ بیزاری کا احساس، اشیا و حیات کے مثبت پن کو بھی دھندلا رہا ہے۔ زندگی کی ہر چیز میں متعلقاتِ موت (خون، لاش، قتل، سفاکیت، تاریکی، تلوار، خنجر، نوحہ، قبر) کو دیکھتے رہنا ایک ہیجانی کیفیت کو واضح کر رہا ہے:

گیان کی صورت، دھیان کا دیپ تب جلتا ہے / پریم کتھا جب ماس کو نوچے
ہڈی سکڑے / خون نچوڑے
اندھیاروں کو اندر اوڑھے / تب یہ راتیں
اپنا آپ بتاتی ہیں (۱۴)

زندگی مشکل ہے۔ اس کے کرب کو مسلسل سہتے رہنے کو بعض تخلیق کار مقدر کے طور پر تسلیم نہیں کرتے۔ اس لیے چھٹکارے کے طور پر ایک ہی راستہ باقی رہتا ہے۔ "المیہ یہ ہے کہ یہی موت فرد کو شانتی اور سکون سے مملو لگتی ہے" (۱۵)

استحصال، استحصالی رویوں اور استحصالی ماحول میں شاعر کی حساسیت نئے نئے موضوعات و مضامین پیدا کرتی چلی جاتی ہے۔ ارشد معراج ایک دیہاتی ماحول کی فطرت کا پس منظر رکھتے ہیں۔ لیکن تعلیم و روزگار کی مجبوریاں انہیں شہر لے آئیں۔ دیہاتی ماحول کی سائیکی اپنی نہاد میں محبت اور کشادگی کی فطرت رکھتی ہے لیکن شہری زندگی اس کے سراسر مختلف رجحان اور رویوں کی حامل ہے۔ جس میں منافقت، خود غرضی، مسابقت و مقابلہ اور مادی اولوالعزمی کے جذبات کی کثرت ہے۔ دوسروں کو مادی خوشحالی کی خاطر گرا کر آگے بڑھ جانا معیوب نہیں۔ جدید زندگی میں خوشحالی کا خواب انسانیت کے استحصال سے وجود پذیر ہے۔ اس نئی معروضیت میں حساس طبع لوگ فٹ نہیں ہو سکتے۔ انفرادیت کی تلاش میں آخر وہ کہاں تک جائیں۔ ارشد معراج کی تخلیقی جبلت میں استحصال کی ہر صورت ایک کرب کی صورت میں جنم لیتی ہے۔ کچلے ہوؤں کا احساس درد بن کر جاگتا ہے۔ اس لیے علی محمد فرشی نے ان کے بارے میں رائے دی:

"مجھے تو وہ شہری زندگی سے ہم آہنگ نظر نہیں آیا اور اگر بہ ظاہر ایسا نظر آئے بھی تو تجزیہ کرنے پر معلوم ہو گا کہ یہ ارشد معراج کی وہ مصلحت آمیز بیمہ پالیسی ہے جو شہری معیشت و معاشرت کو محفوظ بنانے کے لیے اسے بہت زیادہ مہنگی پڑ رہی ہے۔" (۱۶)

صارفیت کے کلچر میں کوئی کسی کا دوست نہیں ہوتا۔ انسان ایک بکاؤ وجود سے زیادہ کچھ معنی نہیں رکھتا۔ ارشد معراج کی سماجی حساسیت اس طرح کے کلچر کی نقاد ہے، جو انسانیت سے متعلق کسی بے رنگی، آلودگی اور وحشت کو قبول نہیں کرتی:

ڈھور یہ بکاؤ ہیں / بھٹہ خشت کے مالک / ان کو مول لیتے ہیں
یہ سدا کے بردے ہیں / کارخانوں کی بھٹی میں جلتا رہا
خانقاہوں کے صحنوں میں پلتا رہا / صبح آوارگی، دن کی بیگانگی، شام کے پالنے
نیند کے بوجھ میں / ہجر کی راکھ چہرے پر مل کے مرا
ہم قدم جو بنا / درد ہی درد ہے (۱۷)

جدید زندگی میں مادی خوشحالی کی تگ و دو شدید قسم کی ماحولیاتی آلودگی کا سبب بن رہی ہے۔ ہاؤسنگ سوسائٹیوں کا قیام، انسانی آبادی میں بے پناہ اضافہ، گاڑیوں کے دھوئیں کی بھرمار نے اور شور نے ہمارے اعصاب کو شل کر دیا ہے۔ دھوئیں سے انسان سلگ رہا ہے۔ اس سلگن کو ارشد معراج شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ ان کی نظر "یار دھواں بہت ہے" خاص طور پر آلودہ ماحول کے خلاف احتجاج کی حیثیت رکھتی ہے:

دھواں بہت ہے
دن نکلے تو پھٹ پھٹ کرتے موٹر سائیکل، رکشا، چنگ چی سینے میں گھس آتے ہیں
پہیوں والے اک ڈبے میں دن بھر گھومتا رہتا ہوں
کالی کالی ان سڑکوں پر
کان لہو سے بھر جاتے ہیں
ناک نتھنے سائلنسر ہو جاتے ہیں (۱۸)

معاشرت اور حیات کے اسرار و رموز میں ارشد معراج عورت کے کردار کو نہیں بھولتے۔ عورت اپنے سماجی مقام اور شناخت کو کس کرب اور تکلیف سے تلاشتی پھرتی ہے۔ نیز وہ معاشرت میں کتنی متحرک اور اثر پذیر ہے اس کا واشگاف اظہار سارا شگفتہ، یہ اشکوں کا نمک، شاعرہ ساحرہ، دلدل میں دھنستی آخری چیخ، شاعری نے تمہیں جنا، وغیرہ جیسی نظموں سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ ارشد معراج کی نظموں کی عورت بھید بھری کائنات ہے۔ یہ تسکین آور شے سے زیادہ ایک ایسا سہارا ہے، جس کے بغیر زندگی کو دھکیلنا ممکن نہیں۔ ارشد معراج کے نزدیک عورت کو اپنے ہونے کا احساس و ادراک ہونا چاہیے، تبھی وہ روحوں کو آلام سے مکتی دلا سکتی ہے:

زاہدہ! / اے محبت کی پیاسی
کیا تجھے اپنے ہونے کا ادراک ہے؟
دیکھ ارض و سما تیری آغوش میں
خواب خواہش سمندر کی آواز پر کان دھر
اس بدن کے کنارے کی راحت کو محسوس کر
دیکھ ہنسوں کا جوڑا محبت میں کیسے شرابور ہے

بس یہی طور ہے
زندگی سات رنگوں بھرا کینوس
اپنے حصے کے رنگوں سے خود کو سجا
خوب صورت بنا
اور روحوں کو دوزخ سے مکتی دلا(۱۹)

پدری معاشرے میں عورت کو اپنے اثبات کے لیے بہت جوکھم اٹھانے پڑتے ہیں۔ عورت کو معاشرے میں کئی قسم کے ممنوعات(ٹیبوز) کا سامنا ہے بلکہ کئی قسم کے ممنوعات اس کی ذات سے وابستہ کر کے اس کو حاشیے پر کھینچ دیا گیا۔ عورت کی سائیکی میں حاشیے پر رہنا رچ بس چکا ہے۔ مذہبی اور ثقافتی تصورات بھی عورت کی شناخت اور متحرک کردار کو پنپنے نہیں دیتے۔ ایسے میں ارشد معراج کی روح ہی وہ پیمانہ ہے، جو عورت کے خالص انسانی اور سماجی کردار کو محسوس کر کے اپنے درد میں گھول لیتا ہے۔

ارشد معراج کے نظمیہ مجموعے ’’دوستوں کے درمیان‘‘ میں ایک صوفیانہ مزاج فطرت قاری سے ہم کلام ہوتی ہے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے ان نظموں کا تخلیق کار گیان دھیان کے چکر میں ہے اور کل خدائی کو محبت کے ازلی مرکز پر لے جانے کے لیے بے قرار ہے۔ اس کی صوفیانہ فطرت میں تفکر کا عنصر غالب ہے۔ ارشد معراج کے صوفی، گوتم، بھگت، سادھو، سدھارتھ سب تفکر کی دولت سے مالا مال ہیں اور اپنے ساتھ چلنے والوں کو مافوق الفطرت کے رومانس میں نہیں باندھتے بلکہ ان کے پاس حقیقت و بصیرت کا وہ تحفہ ہے جو ہمراہیوں کو بھی نورِ بصیرت عطا کرتا ہے۔

’’درد آفاق‘‘ کی اس نظم کے چند مصرعے ملاحظہ کریں:

گوتما!

درد ہی درد ہے
روشنی رہگزاروں میں چلتی رہی
جسم ایندھن بنا
اور منصور نے ایک کروٹ جو لی
درد بڑھتا گیا(۲۰)

تابش کمال کے لیے لکھی گئی نظم ’’مکالمہ نہیں ہوتا‘‘ میں بھی ایک صوفی کی سچی حیرانی منعکس ہو رہی ہے۔ قدرت کے سامنے انسانی تنہائی و بے بسی، انگنت راستوں اور سلسلوں میں انسان کا الجھاؤ، زمان، مکان، آسمان اور امتحان میں انسانی وجود کی بے کیفی یہ وہ تمام سوالات اور موضوعات ہیں، جو ارشد معراج کی صوفیانہ فطرت میں بار بار جنم لیتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ سوال ہر کہ ومہ کے آگے نہیں رکھے جا

سکتے تھے لہٰذا اس سلسلے میں شخصیت کا انتخاب بھی بہت عمدہ ہے۔ تابش کمال نہ صرف اعلیٰ پائے کے شاعر ہیں بلکہ درویشِ باکمال بھی ہیں۔ باغ حسین کمال کے تکیہ کے سجادہ نشین (تابش کمال) خود انہی راہوں پر جادہ پیما ہیں جو راہیں ارشد معراج کو درپیش ہیں:

کوئی نہیں یہاں کہ جو / پیمبروں کی مان لے
کہ گوتموں کا گیان لے / کہ سادھوؤں سی ٹھان لے
صدا یہی ہے چار سو / ترا طریق اور ہے / مرا طریق اور ہے
مرا کہیں کبھی اسے / پتا بھی نہیں چلا / کہ میں بھی ایک ذی نفس
مرے بھی خواب خواب ہیں / مجھے بھی بھوک پیاس ہے
یہ بارشیں یہ روشنی / یہ آسمان اور زمین
میری بھی ضرورتیں ہیں (۲۱)

ارشد معراج کی نظموں میں معاصر سماجی، سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی مسائل نوبنو صورتوں میں موجود ہیں۔ ان مسائل کو وہ ماضی کے رویوں اور حالات سے جوڑ کر مقابل کی سی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔ ان معاصر مسائل کی پیشکش سے مسائل کی تفہیم کا حقیقی ادراک حاصل ہوتا ہے۔ قدیم مسائل نے جدید صورت اختیار کر کے انسان کو الجھا کے رکھ دیا ہے۔ پراگندہ ذہن کر دیا ہے۔ انسان ٹکڑوں میں بٹ چکا ہے۔ ذہنی طور پر بھی وہ بکھراؤ کا شکار ہے۔ سفاکیت کا زہر پورے معاشرے میں سرایت کر چکا ہے۔ انسانوں کو مار کر دہشت پھیلانے کے مذموم اور قبیح طریقے اتنی سرعت سے آزمائے جا رہے کہ کالی سیاہ رات کے سوا انجام کچھ بھی نظر نہیں آ رہا:

ہنسو!
ہنسو کہ ہم اس نگری کے باسی
جہاں کے رستوں پر جلتی جیکٹوں نے ہم کو
ابد کے غاروں میں بھیجنا ہے
لہو اگلتے ہوئے چوراہے
جو ہم نے بوئے ہیں
ہم نے کاٹے (۲۲)

''دوستوں کے درمیان'' کی نظموں کے مطالعہ کے بعد یہ ثابت ہوتا ہے کہ ارشد معراج کے ہاں موضوعات کی کثرت ہے۔ زندگی کے عمومی موضوعات سے لے کر پیچیدہ ترین موضوعات پر انہوں نے نظمیں لکھیں۔ ان کی آگہی، علمیت اور مطالعہ، تخلیقِ شعر میں اپنا اظہار کرتے نظر آتے۔ ابہام اور تجرید کی بجائے ان کی نظم میں وضاحت اور اصلاح احوال کی تلاش کارفرما ہے۔ اپنی ذات، ماحول اور سماج ان کے لیے شعری موضوعات کے اخذ و استفادے کا ذریعہ رہے ہیں اور انھی کا پھیلاؤ ''دوستوں کے درمیان'' میں متنوع صورتوں میں نظر آتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ارشد معراج:"دوستوں کے درمیان"رومیل پبلی کیشنز،راولپنڈی،۲۰۱۹ء،ص ۶۴

۲۔ ایضاً،ص۸۹

۳۔ تبسم کاشمیری:(ابتدائیہ)"دوستوں کے درمیان"ازارشد معراج،ص۹

۴۔ ارشد معراج:"دوستوں کے درمیان"ص۷۰

۵۔ ایضاً،ص۴۱

۶۔ محمد حمید شاہد:(فلیپ)"دوستوں کے درمیان"ازارشد معراج

۷۔ ارشد معراج:"دوستوں کے درمیان"ص۱۴۳۔۱۴۴

۸۔ ایضاً،ص۱۳۰

۹۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری،(ابتدائیہ)"دوستوں کے درمیان"ازارشد معراج،ص۱۰۔۱۱

۱۰۔ ارشد معراج:"دوستوں کے درمیان"ص۸۳۔۸۴

۱۱۔ ایضاً،ص۹۱

۱۲۔ ایضاً،ص۶۳

۱۳۔ پروین طاہر:" نیرنگیِ خیال کا شاعر ارشد معراج" www.udruwirsa.com ۱۲/اکتوبر ۲۰۲۲ء رسائیمی ۷/اپریل۲۰۲۳ء

۱۴۔ دوستوں کے درمیان،ص۳۵

۱۵۔ ڈاکٹرافتخار بیگ،"وجودیت اور اُردو شعری طرزِاظہار"پورب اکادمی،اسلام آباد،۲۰۱۶ء،ص۲۲۹

۱۶۔ علی محمد فرشی:"دوستوں کے درمیان کے بارے" www.facebook.com/Dr.arshadmeraj.12 یکم جنوری۲۰۲۲ءرسائیمیٔ ۱۴/اپریل۲۰۲۳ء

۱۷۔ ارشد معراج:"دوستوں کے درمیان"ص۱۶۵۔۱۶۶

۱۸۔ ایضاً،ص۶۲

۱۹۔ ایضاً،ص۱۰۱

۲۰۔ ایضاً، ص ۱۲۴

۲۱۔ ایضاً، ص ۸۲

۲۲۔ ایضاً، ص ۱۴۷

https://tasdeeq.riphahfsd.edu.pk